سفرِ مصر......

امامِ شافعی کی اقتدا میں نمازِ ظہر کی سعادت......اور سفرِ اسکندریہ!

(گزشتہ سے پیوستہ)

قارئینِ محترم، راقم کے لئے یہ کتنی بڑی سعادت ہے کہ عراق میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور پھر رے (ایران) کی ایک بستی میں امام محمد بن حسن الشیبانی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی زیارت کے کافی عرصہ بعد آج فقہ کے ایک اور بڑے امام (حضرت امام شافعی) کی بارگاہ میں حاضری نصیب ہو رہی ہے۔ ...... **ذلک فضل اللہ یعطیہ من یشاء......**

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک پر حاضر ہو کر یوں لگا جیسے امام صاحب کی کشش یہاں لے آئی ہو اور وہ خود استقبال کو تشریف فرما ہوں۔ دل نے کہا بس بس رہنے بھی دو، کیا پدی کیا پدی کا شوربا، تمہارے لئے امام صاحب استقبال کو آئیں گے؟ یہ تمہارے تخیلاتی تکبر کا نتیجہ ہو سکتا ہے۔ فاتحہ پڑھنا شروع کی نہ جانے کیا سبب ہوا کہ گریہ شدید طاری ہو گیا، کھڑے ہو کر پڑھ رہا تھا بیٹھ گیا۔ بہت کچھ دل کو سنبھالا میاں یہ امام شافعی کا مزار ہے وہ فقہ کے ایک امام گزرے ہیں کوئی تمہارے مرشد کی مرقد یا ابا کی قبر تو ہے نہیں کہ تمہیں گریہ ہوا جاتا ہے۔ ''مگر کوئی فائدہ نہ ہوا'' بمشکل تمام چند چھوٹی چھوٹی سورتیں تلاوت کیں۔ پھر اونگھ آ گئی یاد ہی نہ رہا کیا پڑھا تھا۔ جیسے ہی کچھ طبیعت بحال ہوئی ذہن میں یہ مسئلہ کھڑا ہو گیا کہ تمہارا تو وضو نہیں رہا کیونکہ اونگھنے سے وضو چلا جاتا ہے۔ جلدی نکلو یہاں سے ''کہ بے وضو یہاں مزید بیٹھنا کہیں بے ادبی کے زمرے میں نہ آ جائے'' دماغ میں موجود حنفی فقیہ کہتا تھا کہ اونگھ سے وضو نہیں ٹوٹتا جبکہ تم بغیر ٹیک لگائے بیٹھے ہوئے تھے لیٹے ہوئے نہیں تھے مگر دوسری طرف کتاب الام کہتی تھی کہ نہیں، نیند بذات خود ناقض وضو ہے۔ اور تم امام شافعی کے سامنے ہو ان کا ادب کرو، چند لمحے ایک فقہی جنگ جاری رہی تا آنکہ فیصلہ اس پر ہوا کہ شوافع کے ہاں بھی نیند ناقضِ وضو ہے اونگھ نہیں...... دل کے مفتی کے قول پر تسلی نہ ہوئی مزار کے سرہانے ایک سفید ریش بزرگ عالم بیٹھے تھے، ہم نے ان سے مسئلہ دریافت کیا۔ فرمانے لگے ''لا باس بہ...... وانت علی الوضوء''۔ مسئلہ حل ہو گیا مگر دل سے

ملامت ہونے لگی۔ نکلے کہیں کے یہاں سونے آئے تھے یا سلام کرنے؟ پھر گریہ طاری ہوگیا۔ فاتحہ اسی کیفیت میں پڑھی اور سورۃ فاتحہ پڑھتے پڑھتے یاد آیا کہ اونگھ کے دوران کوئی منظر بھی دیکھا تھا۔ ''منظر یاد آتے ہی دل کی کیفیت مزید کچھ اور بگڑنے لگی۔'' وہ بزرگ جن سے مسئلہ دریافت کیا تھا صورتحال دیکھ کر قریب آگئے کمر پہ شفقت سے ہاتھ رکھا اور **مبروک مبروک، اللّٰہ یبارک فیک، زیارۃ مقبولۃ انشاء اللّٰہ** کہتے رہے۔ اسی دوران اذان ظہر ہوگئی اور ہم نے امام شافعی کی اقتداء میں ظہر کی نماز ادا کی۔ جی ہاں! اس مسجد میں سرکاری طور پر متعین شافعی المذہب امام صاحب کی اقتداء میں۔

ہم نے اپنے والد گرامی سے سن رکھا تھا کہ اولیاء اللہ کے مزارات پر مراقبہ فائدہ سے خالی نہیں ہوتا۔ چنانچہ نماز ظہر کے بعد ہم نے کچھ تلاوت کی اور کچھ وقت کوششِ مراقبہ میں گزارا۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے بھرپور شفقت نے دل کا معاملہ کچھ ایسا کردیا کہ اس زیارت اولیٰ کے بعد ہر روز حاضری کو جی چاہتا تھا، کبھی حاضری ہوجاتی تھی اور کبھی محرومی...... تاہم خوب زیارت رہی۔ دیوانگی کا عالم یہ ہوا کہ مزار کے پاس بیٹھ کر قرآن کریم کی تلاوت کی بجائے کتاب الام پڑھنے کو جی چاہتا تھا جو وہاں طاق میں رکھی ہوئی تھی۔ آخر ایک روز ہم نے دعا کی **اللھم ان کان ھذا من عندک فبھا و ان کان من صنع نفسی او من عندالشیطان فاعوذبک منہ......**

رات کے کھانے پر ہم نے استاذ عبدالجواد صاحب سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا، یہ جو تم نے مدرسہ کے زمانہ میں فقہ شافعی پڑھی تھی امام شافعی اس کی برکت سے مسرت کا اظہار اور شفقت فرما رہے ہیں۔ اسی بات کا تذکرہ ہم نے ایک بار اپنے استاذ گرامی شیخ الحدیث ابوالطاہر علامہ محمد رمضان (رحمۃ اللہ علیہ) سے کیا تو فرمانے لگے کہ یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ نرے حنفی نہ بنو میری کتاب اور فقہ پر بھی کچھ کام کرو۔ واللہ اعلم بالصواب......

یہ علاقہ قرافہ کہلاتا ہے۔ قرافہ میں اور بھی مزارات ہیں اور بہت ہیں۔ ایک پورا قبرستان قریب میں ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد کے احاطہ میں بھی مزید مزارات ہیں ان میں سے ایک حضرت لیث بن سعد کا مزار ہے جو بلند مرتبہ ائمہ فقہ میں سے ہوئے ہیں یہاں تک کہ امام شافعی ان کے بارے میں فرماتے تھے کہ **اللیث افقہ من المالک**...... کہ امام لیث امام مالک سے بھی بڑے فقیہ تھے۔ عالم تھے مگر کمال کے، ابدالوں میں شمار ہوتا تھا، مال دار بھی تھے اور ایک عالم کو تونگر ضرور ہونا چاہئے بشرطیکہ وہ **الذی جمع مالا وعددہ** کا مصداق بن کر نہ رہ جائے بلکہ علم کی خدمت میں بلند

اقبال بنے اور مال کو خدمت علم میں صرف کرے جیسا کہ امام لیث بن سعد کرتے تھے۔ فیاض تھے، اور فیاضی ضرب المثل تھی۔ سرمایہ بہت تھا مگر سال بھر میں جمع ہونے والا سرمایہ سال ختم ہونے سے پہلے ہی طلبہ وفقراء پر خرچ کردیتے تھے اور زکوٰۃ دینا نہیں پڑتی تھی۔ ان کے بیٹے کا بیان ہے کہ بسا اوقات سال کے آخر میں اپنا مال لٹا کر مزید قرض لے کر بھی خرچ کرڈالتے اور مقروض ہوجاتے۔ ۱۷۵ ہجری میں وصال فرمانے والے حضرت لیث بن سعد کے مزار مبارک پر فاتحہ خوانی کے دوران ہم نے دعاء کی۔ اے اللہ! ہمیں بھی ان کی طرح مالدار اور فیاض بنا۔ پتہ نہیں کس حد تک یہ دعاء قبول ہوئی۔ عین ممکن ہے کہ اس کی قبولیت آئندہ کبھی مکمل حقیقت کا روپ دھار لے۔ دعاؤں کی قبولیت کے حوالہ سے انسان خاصا حریص اور جلد باز واقع ہوا ہے۔ چاہتا ہے کہ ادھر دعاء ہو ادھر کام بننے لگیں۔ جبکہ دعائیں قبول کرنے والے کا نظام اس کی حکمتوں اور مصلحتوں کے ساتھ قائم ہے۔ حضرت آدم وحواء علیہما السلام تین سو سال تک رورو کر استغفار ودعاء کرتے رہے تین سو سال کے بعد قبولیت توبہ کا اظہار ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعاء کی قبولیت چالیس سال کے بعد ظاہر ہوئی اور فرعون غرق ہوا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کے لئے دعاء اسی سال کے بعد اپنا اثر دکھا رہی ہے اور حضرت اسماعیل واسحاق دنیا میں تشریف لاتے ہیں۔ حضرت زکریا علیہ السلام کی خواہش اولاد بھی اسی سال میں پوری ہوتی ہے اور یحییٰ علیہ السلام پیدا ہوتے ہیں۔ حضرت ایوب علیہ السلام سات سال تک بیمار رہے اور دعاء ہوتی رہی قبولیت کا اثر سات سال بعد ظاہر ہوا اور شفا ہوئی۔ یہ سب اللہ کے برگزیدہ بندے تھے اگر ہم جیسے عاجزوں کی دعاء کا اثر دیر بعد ظاہر ہو تو کچھ تعجب نہیں۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف کے قریب ہی کچھ اور مزارات ہیں ان کی زیارت بھی شاملِ سفر رہی۔ پھر ایک روز ہمارا ارادہ اسکندریہ جانے کا ہوا۔ کہ یہ مصر کا ایک دوسرا بڑا شہر اور تاریخی اعتبار سے مصری سلطنت کا دارالخلافہ رہا ہے۔ ہم نے اپنے میزبان سے اسکندریہ جانے کی اجازت چاہی تو انہوں نے کہا کہ وہاں ان دنوں کچھ عیسائی مسلم فسادات چل رہے ہیں نہ جانا بہتر ہے۔ مگر ہم دوبارہ مصر کب آئیں گے اور اسکندریہ جائیں گے، آ بھی پائیں گے یا نہیں......؟ یہ ایک ایسا سوال تھا جس نے ہمیں میزبانِ محترم سے اختلاف کرنے اور اپنی رائے قائم کرنے پر مجبور کیا۔ چنانچہ اگلے روز ہم بغیر بتائے قاہرہ ریلوے اسٹیشن پہنچے قلی کے ذریعہ ٹکٹ لیا اور تیز رفتار ٹرین (جسے یہاں القطار المجری کہتے ہیں) میں جا بیٹھے۔ یہاں بھی وہی پاکستانی سسٹم ہے ٹکٹ نہ ملے، یا سیٹ ملنا مشکل ہو تو قلی

بابا مشکل کشا ہے۔ اس نے صرف ایک لیرا زیادہ لیا اور ٹکٹ مع فرسٹ کلاس سیٹ لا کر بصد شکریہ پیش کیا۔ کوئی دو گھنٹے سے بھی کم میں ہم اسکندریہ کے ریلوے اسٹیشن پر تھے۔ ۲۴۳ کلومیٹر کا فاصلہ اس مجری ٹرین نے بڑی سرعت سے طے کیا۔ راستے میں ٹرین طنطا کے اسٹیشن پر رکی تو ہمیں سائنسی تفسیر الجواہر فی تفسیر القرآن الکریم، والے شیخ طنطاوی (۱۸۶۲ء/ ۱۹۴۰ء) اور دوسرے شیخ علی الطنطاوی (۱۹۰۸ء/ ۱۹۹۹ء) یاد آ گئے۔ شیخ علی الطنطاوی کا درس قرآن اور...... **علی مائدة الطعام**...... نامی پروگرام میں ان کی میٹھی میٹھی باتیں ہم نے اپنے قیام مکہ مکرمہ کے دوران سعودی عرب کے ٹی وی پر ماہ صیام میں متعدد بار سنی ہیں، اوران کی بعض تالیفات جیسے، من غزل الفقہاء، تعریف عام بدین الاسلام، الجامع الاموی فی دمشق، فصول اجتماعیة، مع الناس، ذکریات علی الطنطاوی، صلوٰة رکعتین ......وغیرہ۔ ان کی ایک بات اس وقت بھی ہمیں یاد ہے:

> **ان السنبلة الفارغة ترفع راسها فی الحقل وان الممتلئة بالقمح تخفضه، فلا یتواضع الا کبیر ولا یتکبر الا حقیر......**
>
> (گندم کا خالی خوشہ پورے کھیت میں سر اٹھائے کھڑا ہوتا ہے جبکہ دانوں سے بھرا ہوا سر جھکا لیتا ہے، چنانچہ بڑا شخص تواضع وانکساری اختیار کرتا ہے اور تکبر کرنے والا تو کوئی حقیر ہی ہوتا ہے۔)

دسوق اور دمنہور کے اسٹیشن بھی راستے میں آئے اور شیخ الدسوقی، شیخ احمد البدوی کی یاد تازہ کر گئے۔ الدسوق تصوف کے سلسلہ شاذلیہ کا بڑا مرکز رہا ہے۔ اسکندریہ پہنچ کر پہلے تو ساحل سمندر کی سیر کی یہ میڈیٹرین سی (البحر الابیض المتوسط) ہے؟ جس کا ذکر تاریخی مصادر میں بارہا پڑھنے کو ملا، مگر دیکھنے کا موقع آج نصیب ہوا۔ اسکندریہ مصر کے شمال میں ہے اور ۳۲ کلومیٹر ساحلی علاقے پر مشتمل ہے اس کی آبادی چار ملین ہے۔ یہ مصر کا دوسرا بڑا شہر ہے جہاں ایک عرصہ تک دار الخلافہ بھی رہا۔ اسے اسکندر اعظم نے ۳۳۱ قبل مسیح میں دریافت وآباد کیا تھا۔ اس کا رقبہ ''سترہ سو کلومیٹر مربع ہے۔ اور ماہر الظاہر بیبرس اس کا گورنر رہا۔ خوبصورت شہر ہے اور اس کی خوبصورتی کی بنا پر اسے البحر الابیض المتوسط کی عروسہ (دلہن) کہا جاتا ہے۔ یہ شہر نیل کے ڈیلٹا کے ۷۰ کلومیٹر شمال مغرب میں ہے۔ ایک ہزار سال تک یہ مصر کا دار الخلافہ رہا۔ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مصر فتح کیا تو دار الخلافہ فسطاط (اب قاہرہ) کو بنایا۔ وہ اسکندریہ کو ہی دار الخلافہ بنانا چاہتے تھے مگر سیدنا عمر بن خطاب اس پر راضی نہ تھے ان کی نظر دور کہیں مستقبل میں

دیکھ رہی تھی۔ اس شہر کی اہم علمی تنصیبات میں مکتبہ اسکندریہ کی بڑی شہرت ہے۔

مکتبہ اسکندریہ...... الشاطبی کے علاقہ میں ہے۔ بطلیموس الثانی نے اس مکتبہ کے قیام کا حکم دیا تھا۔ یہ تیسری صدی قبل مسیح کی بات ہے۔ اس وقت اس میں سات لاکھ مجلدات موجود تھیں۔ قدیم مکتبہ کی جگہ اب جدید ترین مکتبہ ہے اور اب اس میں ۸ ملین سے زائد کتابیں ہیں۔ کتابوں کے اس شہر کی سیر کے لئے ایک طویل مدت درکار ہے۔ ہم نے صرف بعض گوشے ہی دیکھے اور چلتے چلتے تھک کر بیٹھ گئے۔ مکتبہ کا نظام جدید خطوط پر استوار ہے۔ آنے جانے والوں کا ہجوم بتاتا ہے کہ یہاں لوگوں کو مطالعہ کی عادت ہے اندر ہر طرف میزوں پر لوگ کتابوں پر جھکے پڑے ہیں۔ آنے والوں میں غیر ملکی سیاحوں کی بھی ایک بڑی تعداد ہے۔ عیسائیت کے اہم مصادر و مراجع بھی اس مکتبہ کا اہم سرمایہ ہیں۔ بعض کتابیں ایسی بے مثال تھیں کہ چرانے کو جی چاہتا تھا۔ مگر اے بسا آرزو کہ خاک شدہ...... نہ یہ کتابیں ایشو کروائی جاسکتی تھیں اور نہ ہی انہیں چرانا ہمارے بس کی بات تھی کہ ہم نے کتابیں ہمیشہ خریدی ہی ہیں چرا کر کام نہیں چلایا۔ ویسے ہمیں ایک گائیڈ نے بتایا کہ چونکہ یہ مکتبہ تاریخی اعتبار سے ہزاروں سال پرانا ہے۔ (تاریخ تاسیس ۳۰۰ ق م ہے) اس لئے اس مکتبہ نے بھی کئی انقلابات دیکھے ہیں۔ کئی بار اسے جلایا گیا، متعدد بار اس کی کتب چوری ہوگئیں اور بارہا اس کی تعمیر و تشکیل نو ہوئی۔

اسکندریہ میں ہماری دلچسپی کی دوسری بڑی چیز یہاں کا قومی عجائب گھر تھا جو وسطِ شہر میں شارع فواد پر واقع ہے۔ اس عجائب گھر میں یونانی دور سے لے کر عصر حاضر تک کی...... اسکندریہ کی بولتی تاریخ محفوظ ہے۔ اسکندریہ پر ایک طویل عرصہ تک عیسائی مذہب کی حکومت رہی اور عیسائیت کو سرکاری مذہب کے طور پر اسکندریہ ہی کے مرکز عیسائیت سے رائج کیا گیا۔ یہاں اب بھی عیسائی اور یہودی کافی تعداد میں مقیم ہیں، یہ شہر سینما ہالوں اور ڈراموں کے حوالے سے بھی بڑا مشہور ہے۔ یہاں لاتعداد مسرحیات (تھیٹرز) موجود ہیں جہاں ڈرامے اسٹیج کئے جاتے ہیں۔ ثقافتی سرگرمیاں اس شہر میں ہمیشہ عروج پر رہی ہیں بڑے بڑے ناول نگار، شاعر اور ادیب اسکندریہ نے پیدا کئے جبکہ اس شہر کو، ابوالعباس مرسی، امام بوصیری، امام شاطبی، اور ابن خلدون جیسے علماء نے بھی ایک عرصہ تک اپنے علوم سے منور کئے رکھا۔ یہاں دیگر صحابہ کرام کے علاوہ معروف صحابی حضرت ابوالدرداء کا مزار (مقام) بھی ہے جو فتح مصر کے لشکر میں شامل تھے، ان کا یہ مقبرہ و مقام جس علاقہ میں واقع ہے اسے منطقہ العطارین کہتے ہیں۔ مزار ٹرام (ریلوے) لائنوں کے بیچم بیچ ہے۔ ادھر موجود ایک مجاور نے ہمیں بتایا کہ جب اٹالین کمپنی ریلوے ٹریک

بچھانے کے لئے ادھر آئی اور اس نے اپنے نقشہ کے مطابق ٹریک بچھانے کے لئے صفائی شروع کی تو یہ جگہ درمیان میں آ گئی کئی بار بلڈوزروں سے اسے صاف کرنے کی کوشش کی گئی مگر بلڈوزر ٹوٹ ٹوٹ جاتے تھے۔ پھر بالآخر انہوں نے اسے ایسے ہی چھوڑ دیا اور ٹریک کو اردگرد سے گھما دیا۔ اس نے ہمیں مصری اخبار کا ایک صفحہ بھی دیا جس میں اس واقعہ کی تفصیلات تھیں۔ حضرت ابودرداء الانصاری کا اصل نام عویمر بن مالک الانصاری ہے۔ خزرج قبیلہ سے تعلق تھا مدنی صحابہ میں سے ہیں تاجر تھے۔ بدر کے موقع پر اسلام قبول کیا بڑے زیرک تھے، حضور ﷺ نے انہیں حکیم الامۃ کا لقب عطا فرمایا۔ جمع و تدوینِ قرآن میں جن صحابہ نے خصوصی کردار ادا کیا ان میں سے ایک آپ بھی ہیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں دمشق کے قاضی بھی رہے۔ ایک روایت کے مطابق فتح مصر کی تحریک میں شامل تھے اور مصر پہنچ کر اسکندریہ میں ۳۲ ہجری میں وصال فرمایا۔ مگر بعض دیگر مصادر اس کی نفی کرتے ہیں۔ اور مصر میں ان کے اس مزار کو مقام سے تعبیر کرتے ہوئے ان کا مزار شام ہی میں بیان کرتے ہیں۔ اس مقام کی زیارت کے بعد ہم نے ٹرام سے لطف اندوز ہونے کا ارادہ کیا اور ایک پیلی ٹرام میں سوار ہو گئے مگر منزل کا تعین نہ تھا صرف ٹرام کی سواری مقصود تھی۔ یہ جمعہ کا دن تھا، ٹرام جب ایک ایسے اسٹیشن کے سامنے رکی جہاں ایک عظیم الشان مسجد سامنے تھی اور اس سے پرسوز آواز میں تلاوت کلام حکیم کی آواز آ رہی تھی۔ ہم ادھر ہی اتر گئے کہ نماز یہیں پڑھ لیتے ہیں۔ یہ مسجد حضرت ابوالعباس مرسی کے نام سے موسوم ہے۔ مسجد میں داخل ہوئے تو اندر ایک طرف اولیاء اللہ کے مزارات تھے۔ سید ابوالعباس مرسی اندلس کے شہر مرسیہ کے رہنے والے تھے۔ سلسلہ نسب خزرج کے معروف مدنی قبیلہ سے ملتا ہے۔ امام ابوالحسن الشاذلی سے بیعت ہوئے اور ان کے جانشین و خلیفہ ہونے کی سعادت پائی۔ ۴۳ سال خلقِ خدا کی خدمت میں مصروف رہنے اور فیض عام کرنے کے بعد ۷۰ سال کی عمر میں وصال ہوا، آپ کے مزار اور مسجد کی تعمیرات سے ایسا لگا کہ شاہی خزانوں سے تعمیر ہوئے ہوں۔ عمارات میں شاہی جاہ و جلال نمایاں ہے۔ مسجد کے اندر ہی ایک کتبہ لگا ہے جس پر ان عمارات کا ۱۹۲۷ء میں وزارت اوقاف کی طرف سے تعمیر کیا جانا درج ہے۔ عہد ایوبی کی طرز کی یہ تعمیرات عربی اور اندلسی فن تعمیر کا حسین امتزاج ہیں۔ یہاں نماز جمعہ کے بعد خطیب مسجد و متولی درگاہ سے ملاقات کا موقع بھی میسر آ گیا۔ جن سے کچھ دیر کی ملاقات میں بہت سی باتیں ہو گئیں۔

مسجد سے نکلے تو سامنے ایک سفید گنبد نظر آیا۔ قریب آئے تو معلوم ہوا کہ حضرت امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کا مزار شریف ہے۔ جی ہاں امام بوصیری ''جو صاحبِ قصیدۂ بردہ ہیں'' یہاں ایک عجیب بات

یہ ہوئی کہ ہم مسجد مرسی ابوالعباس سے نکل کر ایک قہوہ نما (کافی شاپ) پر چائے پینے بیٹھے یہاں دیہاتی طرز کے ادھیڑ عمر مصری کافی تعداد میں تھے۔ جیسے ہی چائے پی کر ہم نے مسجد ومزارات کی بیرونی تصاویر بنانے کے لئے اپنا کیمرہ درست کیا تو ایک صاحب لپک کر آئے اور ہمارا کیمرہ ہم سے چھین لیا۔ اور کہا **ھذا حرام...... انتم خواجات...... بتصورو ھنا...... لا ما یسیر** ......ہم نے بڑی لجاجت سے کیمرہ واپس کرنے کی درخواست کی ایک مجمع جمع ہوگیا۔ قریب تھا کہ ہمارا وہ کیمرہ زمین پر پٹخ دیا جاتا جس میں کیمرے سے زیادہ سفر مصر کی قیمتی و نادر تصاویر تھیں۔ بہر حال اللہ نے کرم کیا کہ ایک صاحب جو قدرے تعلیم یافتہ لگتے تھے آگے بڑھے ہم نے عربی میں بات کرنا چاہی وہ ہمیں غیر ملکی سمجھ کر انگریزی میں کچھ کہنا چاہتے تھے مگر مافی الضمیر بیان کرنے سے قاصر تھے، ہم نے عربی میں انہیں باور کرایا کہ صاحب ہم اجانب (غیر مسلم) مسافر نہیں بلکہ مسلمان ہیں اور پاکستان سے ہمارا تعلق ہے جہاں کی غالب اکثریت مسلم ہے۔ تھوڑی بہت ردوقدح کے بعد ہمیں کیمرہ واپس مل گیا۔ مگر اس شرط پر کہ ہم جامع امام بوصیری میں کیمرہ لے کر نہیں جائیں گے۔ یا خدا......! ہم اندر جائیں تو کیمرہ کس کے حوالے کر کے جائیں۔ بہر کیف ہم نے پاکستانی نسخہ نمبر ۳۲، استعمال کیا اور واش روم جا کر کیمرہ کو اپنے ہینڈ بیگ میں ڈال لیا۔ اس طرح ہم اور ہمارا کیمرہ دونوں اندر جانے میں کامیاب ہوگئے۔ حضرت امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ سے ہمیں اپنے دور مدرسی (طالب العلمی) سے عقیدت ہے۔ جب ہم خوب طرز لگا کر قصیدہ بردہ پڑھا کرتے تھے۔ آج صاحبِ قصیدہ کے مقام ومزار کی زیارت کا موقع پا کر بہت ہی خوشی ہوئی۔ اور ہم نے اندر ایک کونے میں کھڑے ہو کر آہستہ آہستہ قصیدہ بردہ پڑھنا شروع کر دیا۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ صاحبِ مزار متوجہ ہیں۔ اس کیفیت میں یہ شعر بار بار زبان پہ آنے لگا۔

مرا زندہ پندار چوں خویشتن ‏ ‏ ‏ ‏ من آیم بجاں گر تو آئی بتن

مزار شریف (گنبد) کے اندر چاروں طرف قصیدہ بردہ لکھا ہوا ہے۔ ابھی ہم فاتحہ ودعاء سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ ایک صاحب نے آ کر ہمارے کان میں کہا۔ **تفضل الی الغداء** ۔کھانے کے لئے تشریف لے چلیں۔ کوئی اجنبی شخص، اجنبی سی آواز۔ ہم نے سر اوپر کر کے دیکھا تو انہوں نے مسکرا کر پھر کہا۔ **تفضل الی الغداء...... الغداء جاھز** (کھانا تیار ہے)۔ قارئین اجازت ہو تو ہم لنگرِ بوصیری سے تبرک حاصل کر لیں؟......(سفر جاری ہے)۔

ان العصا من العصیۃ خشت اول چون نہد معمار کج......تا ثریا می رود دیوار کج